شہرِ رستم — سیستان کا سفر

ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی

۱۹ نومبر ۱۹۹۶ء تقریباً دو گھنٹے کی مسافت طے کر کے ہم زاہدان ایئر پورٹ پر پہنچ گئے یہاں ایئر پورٹ کے اندر رن وے پر کچھ آگے مہمانوں کے استقبال کیلئے بلوچستان سیستان یونیورسٹی کے منتظمین اور استانداری (گورنر آفس) کے کارکن موجود تھے چنانچہ ہم لوگوں کو سیدھے ایک استقبالیہ ہال میں پہنچایا گیا جہاں ہماری خاطر تواضع ایرانی قہوے اور ایرانی بیکری سے کرائی گئی کافی اچھا لگ رہا تھا اور بڑی عزت افزائی اور پذیرائی ہو رہی تھی پروفیسر کریم کشتہ جو اس کانفرنس کے مقامی منتظم تھے وہ خود ایئر پورٹ تشریف لاتے تھے اُن سے ایئر پورٹ پر ہی تعارف ہوا اور بھی کئی زعماء سے شرف ملاقات حاصل ہوا خیر ہم لوگوں کو کاروں کے ایک کارواں کے ساتھ زاہدان کے مشہور ہوٹل "امین" پہنچایا گیا جس کو مقامی طور پر "ہُتل امین" کہا جاتا ہے راستے میں ہم نے ریگستان میں آباد اس شہر کے باشندوں کو روایتی لباس، پگڑی اور شلوار قمیض میں ملبوس پایا۔ عورتیں برقعہ پوش نظر آتیں۔ اسلامیت اور صحرا نشینی کے تقاضوں کا عجیب امتزاج نظر آیا۔ زاہدان میں کافی بڑے بڑے کارخانے اور بڑی بڑی بلڈنگیں بنائی گئی ہیں کبھی دھیمی اور کبھی تیز ہوائیں چل رہی تھیں خیر دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم لوگوں نے تھوڑی دیر کیلئے آرام کیا۔

Scanned by CamScanner

ایرانی وقت کے مطابق شام کے ساڑھے چھ بجے "ورزش زورخانہ" (ورزش باستانی) دکھانے کیلئے زاہدان کے مقام زورخانہ لیجایا گیا جہاں پر "ڈول میل کارڈ" کے نام سے ایک کھیل دکھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اندر ہال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب چند تصاویر کو دیکھ کر میں تھوڑی دیر کیلئے چونک سا گیا۔ مذکورہ پروگرام درود و سلام اور تلاوت قرآن پاک کے ساتھ شروع ہوا۔ اس پروگرام میں استقبالیہ خطبہ رئیس سازمان اتادلی ایران جناب سید حسن شہرستانی نے دیا اس کے بعد "کج کردان" جو سیستان کا ایک مخصوص کھیل ہے دکھایا گیا اس کے بعد دوسرا ورزش نما کھیل دکھایا گیا جس کا نام "هیتات باستانی استان بلوچستان و سیستان ہے" چنانچہ کھیل کے شرکاء جو فوج اور سول ملازمت کے اونچے اونچے عہدوں پر فائز تھے ہاتھوں میں موٹے موٹے ڈھنڈے لئے ہوئے زرد رنگ کی قمیض اور کالے رنگ کے ٹریک پتلون میں ملبوس سٹیج پر نمودار ہوئے یہ لوگ دعا مانگتے ہوئے صلوات و تسبیحات کا ورد کرتے ہوئے ایک دائرے میں گھوم رہے تھے سین منظر میں مخصوص سازو آواز اس کھیل کا کچھ اور ہی لطف دے رہی تھی شاہنامہ فردوسی سے بھی کچھ اشعار پیش کئے گئے یہ کھیل دعا پر اختتام پذیر ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ اس کھیل کے شرکاء میں ایران عراق جنگ کے دوران پکڑے گئے ایک عراقی فوجی آفیسر نے بھی شمولیت کی تھی جس نے ایران میں ہی سکونت اختیار کر کے اسلامی جمہوریہ ایران کی خدمت کرنے کا عہد کیا تھا اس کھیل میں جوان اور بزرگ دونوں نے شرکت کی۔ شاہ کے زمانے میں اس کھیل کے دوران کھلاڑی صرف نکر پہنتے تھے مگر اسلامی انقلاب کے بعد سارا وردی کو لازمی قرار دیا گیا ہے دوسرے دن "هماتیش استانداری سیستان و بلوچستان" پر سمپوزیم کا پروگرام تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوا اس کے بعد بھورے رنگ کے خوبصورت ملبوسات میں ملبوس نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دو رویہ ایران کا ترانہ ملی گانے لگے اتنا خوبصورت اور سریلا نغمہ تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے سامعین عالم استعجاب کی سیر کرتے رہے۔

ای بلند سرفراز ایران من
ای شکوہ نام تو در جان و تن

خاک تو بوی بهاران می دهد
رودهایت دربیابان موج زن
چشمه هایت قصه گوی باغها
کوههایت در دل طوفان رها
دشتهایت ارغوانی شیزد سرخ
ای تو با راز شکفتن آشنا

زیر سقف آسمانت زنده ام
برلب برزیگرانت خنده ام
شب اگر روید به بام خانه ای
همچو خورشید سحر تابنده ام
روز بارانی که صحرا بشکفد
غنچه یادت به دنیا بشکفد

با تو ای باد و باران ای وطن
مهر تو در سینه ما بشکفد
ای وطن ای خانه ایمان من
ای تو خون زندگی در جان و تن
در پناه ذکر قرآن ای وطن
شادزی ابادزی ایران من
ای وطن ای خانه اکاله ها
ای توبا عطر شهیدا ناآشنا
در دل تاریک و ظلمت خیز شب

نوری از توحید داری گو بیا
چشم بد از آسمانت دور باد
دشمنت در تیر گیہا کور باد
تا جہان باقیست ناہید ای وطن
ہمصدا با نغمہ ہای نور باد

اس کے بعد سیستان اور بلوچستان کے گورنر نے مہمانوں کا استقبال کیا اور چند کلمات کہے بعد میں دو علمائے کرام ملا محمد مہدی اور سید اجتبیٰ حسینی (رہبر امور سنت استان بلوچستان و سیستان) نے خطاب کیا اور سیستان و بلوچستان کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالی اور اس کے بعد سمپوزیم کی کاروائی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ درمیان میں چائے کا وقفہ دیا گیا اور اسی دوران ہمیں سمپوزیم ہال سے باہر منعقدہ ایک نمائش دیکھنے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ بلوچستان اور سیستان سے متعلق صنعت، کارخانوں، قالین بافی، مچھلیوں کی صنعت، شہد کی صنعت، بھیڑ بکریوں کی صنعت، دست کاری اور کپڑے کی صنعت وغیرہ کے سلسلے میں اچھا خاصا مواد دیکھنے کو ملا۔ کئی مقامات پر چند نوجوان لڑکیاں کمپوٹر کے ذریعے سے شال بافی کا کام بہ احسن طور پر انجام دیتی ہوئی نظر آئیں خیال آیا کہ اگرچہ کشمیر میں بھی قالین بافی کی صنعت صدیوں سے موجود ہے مگر ابھی تک وہاں کمپوٹر کا استعمال اس سلسلے میں نہیں کیا گیا ہے یہ سمپوزیم اور نمائش یونیورسٹی آف سیستان اور بلوچستان میں منعقد کی گئی تھی۔

شام کے سیشن میں مجھے بھی صدارت کیلئے منتخب کیا گیا چنانچہ کئی مقالے پڑھے گئے جن میں اکثر و بیشتر فارسی زبان میں تھے مگر ایک مقالہ پروفیسر بابو (پروفیسر باٹونی ڈپارٹمنٹ دہلی یونیورسٹی) کا تھا جس سے پہلے مجھے بابو صاحب کا تعارف پیش کرنے کا شرف بخشا گیا دوسرے دن کے سیشن میں میرا مقالہ بعنوان "سیستان کی اسلام کی طرف تدریجی پہل" (SISTAN'S TRANSITION TO ISLAM) اور میرے مقالے کے تعارف کیلئے پروفیسر اشونی کمار اگروال کا انتخاب کیا گیا تھا میرا مقالہ بیس منٹ کا تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے میرے مقالے کو کافی پذیرائی ملی اور

مقالہ پڑھنے کے بعد مجھے صدا و سیماتی ایران کی ٹیم نے انٹرویو کیلئے بلایا اور اسی دوران زاہدان ریڈیو کے ساجد رضوی صاحب بھی مجھ سے انٹرویو لینے کیلئے سیمنار ہال سے باہر منتظر تھے چنانچہ سمپوزیم ہال سے باہر مجھے ڈاکٹر علی شریعتی کے ایک معتمد شاگرد پروفیسر لطفی (مشہد یونیورسٹی کے کالج آف لٹریچر شعبہ تاریخ میں استاد) ہیں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اُن کے ساتھ دکتر غلام رضا وطن دوست (دانشیار تاریخ، دانشکدہ ادبیات وعلوم انسانی، دانشگاہ شیراز) بھی تھے چنانچہ ایران کے ان دو سلجھے ہوتے دانشوروں کے ساتھ کئی علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی چنانچہ مذاہب عالم کے تقابلی مطالعے کا ذکر چلا تو وطن دوست صاحب نے سوال کیا کہ: اس سلسلے میں کیا آپ بھی مغربی سماجیاتی اپروچ کو روا سمجھتے ہیں یا نہیں؟ میں نے اس سوال کے جواب میں اُن سے کہا: اسلام اور دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرنے کے سلسلے میں اسلامی نظریہ مذہب کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے اور اس کی رو سے جس طرح زندگی کے دوسرے ادارات (INSTITUTIONS) کا ارتقا ہوا ہے اُسی طرح مذہب کا بھی ارتقا ہوا ہے اور اسلام کا نظریہ مذہب مغرب کے تمام مناہج کے برعکس اپنی انفرادیت لئے ہوتے ہے ہمارے دانشوروں بشمول ڈاکٹر علی شریعتی اور اقبال اکثر و بیشتر مغرب کے منہاج برائے تقابل ادیان کا سہارا لیتے ہیں علامہ اقبال نے "الہیاتِ اسلامیہ کی تشکیل جدید" میں وحی الٰہی کے ارتقاء کو مذہبی تجربہ (RELIGIOUS EXPERIENCE) کے تناظر میں دیکھا ہے اور پروفیسر ولیم جیمز (WILLIAM JAMES) کی "THE VARIETIES OF RELIGIOUS EXPERIENCE" کی یاد تازہ کر دی ہے کئی مقامات پر اقبال نے وحی اور الہام و کشف و وجدان کے موضوعات کو آپس میں غلط ملط کیا ہے برگسان کے حوالے سے بھی موضوع کو الجھایا ہے اسی طرح ڈاکٹر علی شریعتی نے "جامعہ شناسی ادیان" اور دوسری کتابوں میں مذہب کے بارے میں مغربی اثرات قبول کئے ہیں تاریخ کے فلسفہ کے بیان میں بھی مارکس فرائڈ، درخوتم، میکس ملر، اور میگس وبر وغیرہ سے اخذ و استفادہ کا سراغ شریعتی کے مقالات کا مطالعہ کرنے کے بعد آسانی سے ملتا ہے اس کے برعکس مرتضیٰ مطہری، باقر صدر، مولانا مودودی اور قطب شہید وغیرہ جیسے اسلامی

مفکرین نے اسلامی منہاج کو اپنا کر زیادہ بہتر تشریح سامنے لاتی ہے اور اس ذہنی الجھاؤ کو کسی حد تک دور کیا ہے جو مغربی مفکرین کی تقلید میں بعض مسلم سکالرس نے پیدا کیا تھا غرض ان موضوعات پر گفتگو ہوتی اور میری اکثر باتوں سے ان دونوں حضرات نے اتفاق کیا۔ ایران میں کچھ عرصہ سے ڈاکٹر علی شریفی کے پس منظر میں چلے جانے کے موضوع پر بات چلی کو معلوم ہوا کہ آزاد فکری کے مضر مذہبی اثرات کے سیاسی ماحول پر مرتب ہو جانے سے ایسا ہوا ہے چنانچہ دوسرے روز ڈاکٹر علی شریفی کے ایک دوسرے شاگرد مشہد کے جناب جواد محمدی خمک سے ملاقات کے بعد اس سوال کا جواب اس طرح ملا :

"مجھے اپنے آپ کو علی شریفی کا شاگرد کہتے ہوتے شرم محسوس ہوتی ہے بعض لوگ اب اپنی نسبت علی شریفی سے جوڑ کر ایران میں اُسی اباحیت کا ماحول دوبارہ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اسلامی انقلاب کے بعد ختم ہوا تھا"

سمپوزیم کے بعد ایک پروگرام تفریحی اور تاریخی مقامات کی سیر و سیاحت کا بھی دکھا گیا تھا ۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء کو ہم لوگ صبح کے چھ بجکر تیس منٹ زابل شہر کی سیر کیلئے چلے گئے زابل کو بعض اوقات شہر سوختہ بھی کہتے ہیں یہ علاقہ دریائے ہیرمند کے کنارے آباد ہے چنانچہ سیستان کے ریگستانوں سے گذرتے ہوتے راستے میں تیل کے بڑے بڑے ٹینکر نظر آتے بعض ٹینکر زیر زمین بھی ہیں شہر سوختہ تقریباً چار ہزار سال پہلے اشکہانین (ASHKANIAN) حکمرانوں کی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا جس کے مشرق میں ایک زمانے میں بدھ مذہب کا دور دورہ تھا اس کے حدود قندہار تک پھیلے ہوتے تھے اور اس کے زرنج اور فراہ علاقوں میں اکثر لوگ زرتشت مذہب کے ماننے والے تھے البتہ زابل کے بادشاہ بودھ مذہب کے ماننے والے تھے وہاں ایک محل تھا جس کو "خدائی محل زن" اور وہاں ایک پہاڑ کو "کوہ سوناگر" کہتے تھے اور وہاں خدا کے نام زور اور ژون تھے۔

شہر سوختہ پہنچتے ہی ہم لوگوں نے ریت پر بچھے ہوتے قالینوں پر بیٹھ کر روایتی ایرانی

ناشتہ کیا اور وہاں ہم لوگوں کا استقبال "رقص جمشید" کے خوبصورت اور رنگارنگ پروگرام سے کیا گیا بڑے صحت مند لوگ ہاتھوں میں لکڑی کے بڑے بڑے ڈنڈے لیکر پھرتی کے ساتھ حرکت کرتے ہوتے نظر آتے اور پھر ان ڈنڈوں کو آپس میں ٹکراتے ہوتے ایک عجیب سماں پیدا کر رہے تھے سفید شلوار اور کالی صدری میں ملبوس ان لوگوں نے مندوبین کا دل جیت لیا۔

اٹلی کے ایک مشہور پروفیسر م توسی (اسمئو، مہرولانا ۸۸۴ روم اٹلی) اس سارے سفر کے دوران شہر سوختہ کے بارے میں ثقہ معلومات بہم پہنچاتے رہے وہ تقریباً پچھلے ۳۵ سال سے اس موضوع پر تحقیق کرتے رہے ہیں اور کتنی کتابیں شایع کر چکے ہیں شہر سوختہ اب مٹی کے چند گھروندوں پر مشتمل آثار قدیمہ کے ایک دلچسپ میوزیم کا سماں پیش کرتا ہے چاروں طرف اس قدیم تہذیب کے آثار مٹی کے برتنوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں، کانچ کے باقی ماندہ حصوں اور کنکروں کے نمونوں پر بکھرے ہوتے ہیں اور بزبان حال فرمان الٰہی پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں

" وکم اھلکنا قبلھم من القرون "

تیز تیز ہوائیں چل رہی تھیں میں عجیب مستی کے عالم میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا اور تہذیب کی تاریخ میں شہر سوختہ کا مقام تلاش کرنے میں سرگرم تھا۔

تقریباً دو گھنٹوں کی مصروف سیاحت کے بعد ہم لوگ دوبارہ بسوں میں بیٹھ کر ۱۲ بجے دن کوہ خواجہ جو ایک قلعہ خاکی ہے پہنچے یہ ۲۰۰ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۲۰۷ عیسوی تک حکمران رہنے والی اشکہانی خاندان کی تہذیب کا آباد کردہ شہر تھا اس کے ساتھ ہی دریائے ہامون یا جھیل ہامون ٹھاٹھیں مار رہا ہے جو کشمیر کے مشہور جھیل ولر کا نظارہ پیش کرتا ہے اس جھیل کے ساتھ کچھ توہماتی عقاید وابستہ ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ سوشانت جو عقیدہ زرتشتان کے لحاظ سے مسیح موعود اور شیعہ مسلمانوں کے تصور کے مطابق ظہور مہدی سے مشابہت رکھتا ہے اسی ہامون دریا سے برآمد ہو جاتے گا اور اصلاح کریگا۔ کوہ خواجہ پر ہی ایک بڑا قدیم آتش کدہ یعنی زرتشتیوں کا موبد ہے "کوہ خواجہ" کا ذکر شاہنامہ

Scanned by CamScanner

میں "کوہ سفید" کے نام سے کیا گیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

یکی کوہ بینی سر اندر سحاب نمیرد برا و بیچ پران عقاب

چونکہ اس دن جمعہ تھا اسلئے نماز جمعہ کیلئے ہم لوگ چاہ بہار پہنچ گئے ایک بجکر چالیس منٹ پر سا ہم وہاں پہنچ گئے چاہ بہار سیستان و بلوچستان منطقہ کا ایک مشہور صحت افزاء اور سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے مگر یہاں بھی مجھے وادی کشمیر کا خداداد حسن یاد آیا کیونکہ وہاں مصنوعی طور پر کئی مقامات پر فوارے بنائے گئے ہیں اور پانی کے نل لگائے گئے ہیں اور پانی کو سیاہ پتھروں پر گرا کر آبشاروں کا سا سماں پیدا کرنے کی انسانی کوشش کشمیر کے قدرتی آبشاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے اسی طرح میسور کے بندراون گارڈن کی مصنوعی کاریگری سے پیدا کردہ خوبصورتی بھی یہاں مفقود تھی البتہ چونکہ چاہ بہار دریائے عمان کے کنارے آباد ہے اسلئے کسی حد تک اس مقام کو صحت افزاء مقامات میں شمار کیا جا سکتا ہے اور سیستان و بلوچستان کے لق و دق صحرا میں اس قسم کے مقامات پر تفریح کا اچھا موقعہ فراہم ہوتا ہے۔

"چاہ بہار" کو منطقہ آزاد بھی کہتے ہیں اور اس جگہ کو صنعت، تجارت، سیاحت اور ترا تربیت کے سلسلے میں کافی اہمیت ہے یہ ایران کے جنوب مشرق میں واقع ہے اور یہاں کی آب و ہوا معتدل اور مرطوب ہے اسی وجہ سے اس جگہ کو "چاہ بہار" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے یہاں کی آب و ہوا ساحل جنوبی اور سواحل خلیج فارس میں سب سے زیادہ خوشگوار ہے اس زمین کا رقبہ چودہ ہزار ہیکٹر ہے یہ کراچی سے سات سو کلومیٹر، مسقط سے دو سو پچاس کلومیٹر، کویت سے بارہ سو اسی کلومیٹر، مشہد سے سولہ سو پچاس کلومیٹر، سرخس (ترکمنستان کی سرحد) سے انیس سو کلومیٹر اور تہران سے تیئس سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اسلئے بجا طور پر اس مقام کو "عالمی سمندری راستوں" کے وسط میں واقع ہونے کا شرف حاصل ہے اس خوبصورت مقام پر دن کا کھانا کھانے کے بعد ہم لوگ زابل کیلئے روانہ ہوئے زابل کی سیاحت کے دوران خاص طور پر دور دور تک پھیلے ہوئے ریگستانوں اور شہر سوختہ کے سفر کے دوران ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کہ میں کسی ریگستان

میں سے گذر کر کسی نخلستان کی تلاش میں ہوں میرے سطح ذہن پر زمانہ قدیم کے وہ نقش و نگار ابھر رہے تھے جب مختلف فوجی و جنگجو کارواں اُن راستوں پر سے گذرے ہونگے دوسری طرف میرے پرواز تخیل کا عالم یہ تھا کہ اولیا۔ کرامؒ کی عظیم سیاحت کے منظر ہویدا ہو رہے تھے کس قدر ان افراد عظیم نے دین اسلام کی تبلیغ و ترسیل کیلئے بے پناہ مصائب و تکالیف کو برداشت کر کے اپنا فریضہ انجام دیا۔ دشت و صحرا سے گذر کر جنگل و بیاباں کو عبور کر کے پیدل سفر کے ذریعے اپنے مشن کو پورا کیا۔ کیا خبر یہ تھا ان مردان حر اور اولیا۔ خداؒ کا کہ اس زمانے میں جب نہ ریل تھی نہ بسیں اور نہ ہوائی جہاز دوسری طرف دشمنوں کے خطرات کا سامنا تھا چوروں اور اچکوں کے حملوں کا اندیشہ تھا درندوں اور خونخوار جانوروں کا خوف تھا اس طرح ہر طرف سے خطرات ہی خطرات تھے مگر شوق تبلیغ اور مسئولیت دینی کے جذبے سے سرشار ان افراد تاریخ ساز نے دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کر لیا۔ بے ساختہ میرے ذہن پر سید علی ہمدانیؒ اور جانباز ولی اصفہانیؒ کے ان بے مثال سفر و سیاحتوں کا منظر ظاہر ہوا کہ ایران کے دو شہروں یعنی ہمدان اور اصفہان کو چھوڑ کر کس طرح ان لوگوں نے کشمیر جیسے دور دراز علاقے کا سفر اختیار کیا اور وہاں توحید و رسالت کی تعلیم کو بہ احسن طریق پہنچا دیا۔ غرض میں نے اپنے جیب سے اوراد قادریہؒ اور اوراد فتحیہ نکال کر اپنے ساتھ بیٹھے پروفیسر امیرج تنہاتن ناصری کو دکھایا اور اُن کو اپنے ان ذہنی تاثرات سے آگاہ کیا وہ کافی دیر تک اس اوراد کو آگے پیچھے دیکھتے رہے اور جب میں نے اُن کو کچھ تفصیلات فراہم کیں تو بڑے خوش ہوتے اس کے بعد ان کے ساتھ فلسفہ غزالیؒ پر بات ہوتی ان کا خیال تھا کہ غزالی فلسفے اور تعقل کے خاتمے کی علامت تھے میں نے ان کو اپنی تحقیق کے تناظر میں فلسفہ غزالی کے اصل پس منظر سے آگاہ کرنے کی کوشش کی انہوں کسی حد تک میری باتوں سے اتفاق کیا آگے بڑھتے گئے اور ریگستانوں کے کاروانوں سے گذرتے کے بعد ہم لوگ بالآخر شہر سوختہ پہنچ گئے وہاں مہمانوں کیلئے پہلے سے قالین بچھایا گیا تھا اور وہاں ناشتے کا انتظام بھی کیا گیا تھا خیر ناشتے سے فارغ ہونیکے بعد ہم لوگ شہر سوختہ کی سیر کرنے کیلئے نکلے چونکہ وہاں پہنچتے پہنچتے ہم لوگ قدم قدم

Scanned by CamScanner

پر اس شہر کے آثار دیکھتے رہے اس ذہنی و روحانی سفر کی تکان لئے شام کے وقت ہم لوگ زابل پہنچ گئے زابل کا نام وہاں کثرت آب کی وجہ سے زابل پڑا ہے جس کے معنے ہیں "زاب گل" ہیں افغانستان کی سرحد سے متصل ایک مقام "زہک" ہے جہاں ہم لوگ پہنچے اور آگے بڑھنے کی اجازت نہ ملی وہاں ایک پُل ہے جو سرحدی چوکی کا کام بھی دیتا ہے وہاں کے سپاہیوں نے ہم لوگوں کو آگے بڑھنے سے روکتے ہوئے معذرت ظاہر کی۔ اسی دوران ہم لوگ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں بعض عورتیں چھوٹے چھوٹے نالوں اور کنوؤں سے پانی بھر رہی تھیں یہ لوگ مٹی کے گھروندوں میں رہتے ہیں جو جگی جھونپڑیوں کی طرح ہیں مگر ان کی وضع قطع کچھ الگ ہے یہ ثایہ خانہ بدوش لوگ ہیں میرے ذہن پر ازمنہ قدیم کے تہذیبوں کی پرچھائیاں ابھر رہی تھیں اور حضرت شعیبؑ کے زمانے کا مدآن یاد آرہا تھا اور "حضرت شعیبؑ کی دختران باحیا ایسے ہی کنوؤں سے پانی بھرتیں ہونگی"! میرے پردہ تخیل پر اس خیال نے تسلط جمالیا اور مجھے تہذیب و تمدن کے سفر میں ان گھروندوں میں رہنے والے سیدھے سادھے، قانع مگر خوددار لوگوں کا یہ مقام متاثر کررہا تھا ان کی زندگی کے شام و صبح اور رات و دن کس سادگی سے گذر جاتے ہیں اور یہ سادگی صدیوں سے برقرار چلی آرہی ہے مگر حکومتوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کی بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھیں۔

رات کے آٹھ بجے کے قریب ہم لوگ زابل پہنچ گئے ہمارے ساتھ امیرج سیستانی، پروفیسر امیرج تنہاتن ناصری، پروفیسر پاریزی، ڈاکٹر صفت گل، ڈاکٹر جواد جانب الٰہی، ڈاکٹر ایس ایم ایس بجادی پیروز مجتہدزادہ، جواد محمدی خمک اور ان کے ہونہار بیٹے سام محمدی بھی تھے ان لوگوں کے ساتھ ہم زابل کے گورنر ہاؤس پہنچ گئے جہاں ہماری خاطر تواضع روایتی ایرانی قہوے اور لیمون بزرگ (موسمی نسترہ) سے کی گئی پروفیسر پاریزی جو بہت ہی وجیہہ شخصیت کے مالک ہیں اور پیرانہ سالی کے باوجود عزم و ہمت سے بھرپور ہیں ادبی و علمی موضوعات پر ان سے کافی گفتگو کا موقعہ ملا وہ دہ غنی کشمیری اور اقبال لاہوری" کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کو ان شعراء کرام کے اکثر اشعار یاد ہیں چنانچہ غنی کشمیری کا ذکر چلا تو انہوں نے مجھے ان کا یہ شعر سنایا جو میں دیر تک گنگناتا رہا۔

Scanned by CamScanner

حسن سبز بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

اس کے بعد ہم لوگ زابل کے بازاروں کی سیر کرنے نکلے بھرے ہوئے بازار ہیں اور وہاں پر ہر چیز سلیقے سے سجائی گئی ہیں الیکٹرانک سامان کی دکانیں ہر طرح سے معیاری چیزوں سے لدی پھدی ہیں ایسا لگ رہا تھا کہ ہم کسی ترقی یافتہ علاقے میں گھوم رہے ہیں ہر طرف شلوار قمیض اور "خان ڈریس" کی دکانیں الگ الگ موجود ہیں اور ان میں بُنے بنائے ملبوسات جن کو "ریڈی میڈ گارمنٹس" کہا جاتا ہے رکھی گئی ہیں تھوڑی دیر اس دلچسپ سفر کی آخری کڑی کے طور پر ہم نے زابل میں رستم کے گھوڑے "رخش" کا بُت دیکھا جو دراصل یعقوب لیثی کے گھوڑے کی مورتی ہے اس طرح ہمارا سفر زابل پورا ہوا اور ہم رات کو دیر گئے واپس زاہدان پہنچ گئے اس سفر میں ایران کے مشہور ذاکر جن کو رئیس الذاکرین غلام علی کے نام سے جانا جاتا ہے سے ملاقات ہوئی وہ مشہد کے بلوار امامت میں رہتے ہیں وہ اپنی بیٹی جو ڈاکٹری کی طالبہ ہے کے ساتھ اس سمپوزیم میں تشریف لائے تھے انہوں نے "سُتان سیستان" کے بارے میں کسی مشہور شاعر کے یہ اشعار سنائے

شاہا بہ ست عہدی سُتانِ سیستان
آہنگ رزم لشکر تورانیان مکن
ریش و سبیل بیش ہستند اہل سیستان
ہرگز تو تکیہ بر نمد و ریسمان مکن

ایران کے ایک دوسرے ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر علیہ ضابط دینہ جو "پیام سیستانی" کے قلمی نام سے معروف ہیں انہوں نے میری ڈائیری پر یہ اشعار تحریر کئے۔

دل عطر حدیث آشنای خواہد
آئین او ستای وفا می خواہد

زرتشت خیال من چو باران بازآ
آتشکدہ دلم تو را می خواہد

ایران کی ایک نوجوان شاعرہ محترمہ ناصومہ اطسفراز (جو ریڈیو تہران میں ملازمت کرتی ہے) نے اپنے یہ اشعار میری ڈائری میں نقل کئے۔

پُرید از سر من رمز خواب از سر شب،
نشتہ در بر من آفتاب از سر شب
ز شاخہ شاخہ صد کہکشاں گذشتم با
بہ روی روشن ہزاران شہاب از سر شب
ہزار تار سیہ رابہ یاد زلفانت
بیا کہ دادہ دلم پیچ و تاب از سر شب
بیاد زلف سیاہت نشتم و خواندم
چو کولہان غزالخوان خواب از سر شب
خدای کوچک من درکجاست میکدہ ات
کہ میل جام تو دارم شباب از سر شب

ایران ہی کے ایک دوسرے ابھرتے شاعر جناب محمود میری سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور ان کے کمرے میں دوسرے ایرانی رفقاء کے ساتھ ان کا تازہ کلام سنا انہوں نے بہ خلوص و شفقت مجھے اپنا نیا مجموعہ "خورشید ہائے کوچک" عنایت فرمایا چنانچہ میں نے ان کو ایران میں لکھی گئی اپنی ایک نظم پیش کی۔

ایران کبیر اے کان علم
وابستہ بہ تو شان علم

آفرید ان خط علما صلحا
وابستہ بہ ایشان جان علم
گشت عام اینجا علم و حکم
ہر خانہ شُد میدان علم
طوسی فارابی سینا غزالی
رومی راشما عرفان علم
رازی طبری سجتانی و عرفی
دہند جہاں رانشان علم
ہر کوچہ و در شاہد تا ایندم
آفرید ایران پیمان علم
پیوستہ بہ تو تا اینروز
کاروان ہاتے کاروان علم
خاک شما بوتے علم دارد
بینیم ہر سو عروسان علم
نسیم بہ تو نسبت روحانی دارد
گو ید شمارا پس ایران علم

ایران کی ہر جگہ علم و حکمت، سائنس و فلسفہ، حدیث و فقہ کے کسی نہ کسی عظیم مفکر یا سکالر سے وابستہ و پیوستہ ہے اور وہاں پر ہر جانے والا یا تو شاعر بن جاتے گا یا ادیب و فلسفی میں ہوٹل امین میں رات کے کھانے کیلئے بیٹھا تھا تو ایک ایرانی عالم اپنے چند ساتھیوں سمیت ہوٹل میں داخل ہوتے اور تھوڑی دیر وہ لوگ گفتگو کرتے رہے اور اسی بیچ اس عالم کے منہ سے زوردار قہقہہ بلند ہو کر ہوٹل کے در و دیوار سے ٹکرا کر میرے کانوں سے جا لگا اور میں

Scanned by CamScanner

نے بے ساختہ یہ اشعار لکھے۔

خندہ عالم مرا شرمندہ کرد　　دل جمعی من پراگندہ کرد

من کہ بودم درجہاں بے خودی　　نالہ شبت مرا زندہ کرد

علم باید خموش مدہوش گر　　عشق مردہ دلے را زندہ کرد

عشق را باید مقامے دیگرے　　علم یا ایں عشق چوں تابندہ کرد

کے ہست روا ایں بے حسی　　ملتے مردہ حدی خوانی شما زندہ کرد

ایں جہاں ہست اسیر ظن وگمان　　اشک صبح گاہی را آن پابندہ کرد

خواب ہائے پریشان نسیم

جذب دل تعبیر یا تابندہ کرد

زاہدان میں مجھے سیستان و بلوچستان کے گورنر آفس میں ملازم ایک بہت اچھے دوست ہوشنگ ناظری طے (استانداری سیستان و بلوچستان دفتر نمایندہ مقام معظم رہبری در امور اہل سنت بلوچستان) وہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور گھر پر روایتی ایرانی قہوے اور سوکھے انجیروں سے میری خاطر تواضع کی ان کے بھائی محمود رضا ناظری یا امید ناضری سے بھی ملاقات ہوئی جو وہاں یونیورسٹی کے طالب علم ہیں بڑے دلچسپ اور ہونہار نوجوان ہیں برادر ہوشنگ ناضری مجھے ۲۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو سید مجتبیٰ حسینی (رہبری در امور اہل سنت بلوچستان) کے دولت خانے لے گئے اور مجھے اس ایرانی عالم سے دوبدو ملاقات کا شرف حاصل ہوا چنانچہ گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے اندر بچھے ہوئے خوبصورت ایرانی قالین دیکھے مجھے بٹھایا گیا اور تھوڑی دیر بعد سید مجتبیٰ صاحب تشریف لاتے اور میرا استقبال کرتے ہوئے مجھ سے بغلگیر ہوتے اور مجھے چوما وہاں کچھ اور لوگ بھی آئے تھے جو دست بدست مجتبیٰ صاحب کے سامنے ادب و احترام کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھے تھے اور سید مجتبیٰ صاحب کی ہر بات کو کمال توجہ سے سن کر حرز جان بناتے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں چند لوگ بہت بڑے عہدہ دار بھی ہیں ایران میں علماء کا ادارہ کافی مضبوط

ہے اور مثبت انداز سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے علماء ایران نے اپنی ایک جگہ ایرانی تاریخ میں بنائی ہے اور وہاں کے لوگ ان کی طرف عزت واحترام کے ساتھ رہنمائی کیلئے دیکھتے ہیں میں نے مجتبٰی صاحب سے عربی زبان میں گفتگو کی اور وہ کافی سلیس عربی میں میرے ساتھ ہمکلام ہوتے کشمیر میں دینی وسماجی حالات کا ذکر چلا تو مجتبٰی صاحب نے پہلا سوال یہ کیا کہ وہاں علماء اسلام کا کیا حال ہے اور ان کا رول کیا ہے؟ اسی طرح موصوف نے وہاں کے دینی مدرسوں اور مکتبوں کے بارے میں پوچھا میرے جواب پر موصوف نے فرمایا کہ علماء دین اور دینی مدارس کی عدم موجودگی میں کوئی سماجی اور دینی بیداری ہرگز ممکن نہیں ہے چنانچہ سید صاحب نے تجویز پیش کی کہ اگر کشمیر کے مسلمان چاہیں تو ہم وہاں دہلی اور ایران سے علماء کشمیر بھیج سکتے ہیں تاکہ وہ تبلیغ اسلام اور اصلاح معاشرہ کا کام انجام دے سکیں۔

"مجھے یہ باتیں سنکر ایک اللہ جنتی صاحب سے ۱۹۹۲ء میں خانہ فرہنگ ایران میں ہفتہ وحدت کے سلسلے میں منعقدہ پروگرام کے دوران وہ ملاقات یاد آئی جس میں ایک اللہ صاحب نے یہی باتیں کہی تھیں کہ جب تک مسلم سماجوں میں علماء کرام اپنی مسئولیت کے احساس سے سرشار ہوکر کام نہ کریں دانشور اور تعلیم یافتہ افراد اپنے خلوص کے باوجود خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کرسکتے ہیں"

یہ ملاقات کافی دلچسپ رہی اور مجھے جس عزت افزائی سے مجتبٰی صاحب نے نوازا وہ بھی ان کے کمال خلوص اور للہیت کا مظہر ہے سید مجتبٰی صاحب کی خواہش تھی کہ میں مشہد شریف اور قم کی زیارت بھی کروں اور وہ اس سفر کے انتظامات اپنے دفتر سے کرانے کیلئے بالکل تیار تھے مگر چونکہ ہم لوگ یونیورسٹی کے مہمان تھے اس لئے ہمیں ان کے پروگرام کا پابند رہنا پڑا ورنہ میری ذاتی خواہش تھی کہ میں مشہد شریف جاکر امام رضا رضی اللہ عنہ کے مقبرے اور وہاں سیتاپور میں امام غزالیؒ کی حالیہ دریافت شدہ قبر کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکوں البتہ سید مجتبٰی صاحب نے میرے قم شریف جانے کا انتظام آقائے ہوشنگ نظری کے ذریعے سے

Scanned by CamScanner

پہلے ہی کر دیا۔

۲۵ نومبر کو ہم لوگ چند مقامی دوستوں مثلاً ڈاکٹر عبدالوہاب، عبدالواسع، سید حاجی آبادی کے ساتھ بلوچی بازار کی سیر کرنے گئے وہاں بازار بھرے ہوتے ہیں کیلے بیچنے والے بچے اور نوجوان زور زور سے "موزہ" چلا رہے تھے وہاں کے اکثر دکاندار افغانی ہیں ۲۳ نومبر کو مجھے برادر عبدالواسع اور حاجی آبادی سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقعہ ملا چنانچہ حاجی آبادی جو سید ہیں میری باتیں سن کر بہت خوش ہوتے اور انہوں نے کہا کہ آپ کی باتیں سنکر اندازہ ہوا کہ شعیہ سنی اصطلاحوں میں سوچنا از روئے اسلام ایک جرم سے کم حرکت نہیں ہے ۲۵ نومبر کو میں نے ایران ٹی وی کے لئے خصوصی پروگرام میں بہت سارے سوالات کا جواب دیا سیتان کی تاریخی اہمیت، وہاں اسلام کی آمد اور موجودہ زمانے میں اس تاریخی مقام پر علمی و تحقیقی کام کے حوالے سے میں نے ہر طرح کے موضوعات سے بحث کی اُس سے پہلے زاہدان ریڈیو کیلئے میں نے سجاد رضوی صاحب سے تفصیل کے ساتھ ایک پروگرام میں شرکت کی اور مجھ سے اس انٹرویو کے دوران علمی و تعلیمی موضوعات پر ہر طرح کے سوالات پوچھے گئے اور میں نے اپنے جواب میں ملت اسلامیہ میں فرقہ پرستی اور گروہی تعصبات کے جذبات کو برانگیختہ کرنے والے عوامل پر خصوصی طور پر روک لگانے کی وکالت کی کیونکہ اس سے نہ صرف مسلم ملت کے وسائل بُری طرح برباد ہو رہے ہیں بلکہ اسلام کا تعارف بھی اقوام عالم کے سامنے بہت ہی بُرا تاثر پیش کر رہا ہے اس طرح ایسے واقعات نہ صرف مسلمانوں کے مفادات کے خلاف جا رہے ہیں بلکہ اسلام کے مشن سے بھی لگاؤ نہیں کھاتے میں نے اس انٹرویو کے دوران یہ بھی کہا کہ: کتنے شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر کے اس کی لاش بوری میں بھر کر سڑک پر پھینک دیتا ہے اور اس طرح ایک ایسے گھناونے جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے جس کو نہ تاریخ معاف کر سکتی ہے اور نہ اللہ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید کے ساتھ ایسی حرکات سے منع کیا تھا آپؐ نے فرمایا ہے "لا ترجعوا من بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض" اور فرمایا تھا کہ مسلمان کا قتل کرنا

کفر اور اس کو گالی دینا فسق کے برابر ہے اگر کوئی سنی شیعہ مسلمان کو اس لئے قتل کرتا ہے کہ وہ شیعہ ہے تو وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف جا رہا ہے اسی طرح کوئی شیعہ اگر کسی سنی مسلمان کو صرف اس وجہ سے قتل کرتا ہے کہ وہ سنی ہے تو وہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

زاہدان میں سکھوں کی بستی بھی ہے جس کو "محلہ سکان" کے نام سے جانا جاتا ہے اور وہاں تقریباً ۲۰ سکھ خاندان سکون و راحت کے ساتھ سکونت کر رہے ہیں اور ان کا ایک گردوارہ بھی ہے ہم نے اس محلے کا بھی دورہ کیا اور چند سکھوں سے ملاقات ہوئی۔

۲۶ نومبر بدھوار کو صبح کے ساڑھے نو بجے کے قریب آقائے امید ناظری میرے پاس انجیر سوختہ کا ایک بسکٹ لیکر آئے اور اس کے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ گپ شپ کرتے رہے میں نے فون پر سید مجتبیٰ صاحب سے رخصت مانگی اور ان سے دعائے خیر کی درخواست کی اور ہم لوگ زاہدان ایئر پورٹ پر تہران کیلئے ایئر ایران میں بارہ بجے دن کے لگ بھگ بیٹھ گئے اور اس طرح زاہدان کا یہ سات روزہ سفر پورا ہوا جس کی یادیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گی۔

Scanned by CamScanner